اسلام میں عدلِ اجتماعی کا تصور

شہزاد چنا*

ABSTRACT:

Qur'aan, the sacred scripture of Islam, considers justice to be a supreme virtue. It is a basic objective of Islam to the degree that it stands next in order of priority to belief in Allah's (SWT) exclusive right to worship (Tawheed) and the truth of Muhammad's prophethood. Allah (SWT) declares in the Qur'aan:
"Allah commands justice and fairness ...." (Quran 16:90)
And in another passage: "Let not the hatred of others make you to the wrong and depart from justice, be just, that is to piety...." (Quran 5:8)
Therefore, one may conclude that justice is an obligation of Islam and injustice is forbidden. The centrality of justice to the Qur'anic system is displayed by the following verse:
"We sent Our Messengers with clear signs and sent down with them the Book and the Measure in order to establish justice among the people…" (Quran 57:25)
The phrase 'Our Messengers' shows that justice has been the goal of all revelation and scriptures sent to humanity. The verse also shows that justice must be measured and implemented by the standards and guidelines set by revelation. Islam's approach to justice is comprehensive and all-embracing. Any path that leads to justice is deemed to be in harmony with Islamic Law. Allah has demanded justice and, although He has not prescribed a specific route, has provided general guidelines, on how to achieve it. He has neither prescribed a fixed means by which it can be obtained, nor has He declared invalid any particular means or methods that can lead to justice. Therefore, all means, procedures, and methods that facilitate, refine, and advance the cause of justice, and do not violate the Islamic Law are valid. This article attempts to present a study of life of Muhammad Sallah-e-alayehe wassalam on the topic of justice.

جن اخلاقی اور معاشرتی امور پر اسلام نے سب سے زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک عدل بھی ہے۔اس عدل وانصاف پر دنیا کا نظام قائم ہے جس قوم اور جس معاشرے میں عدل وانصاف نہ ہو وہ رحمت خداوندی سے محروم رہے گا اور دنیا میں بھی ذلت ورسوائی اس کا مقدر ہے۔قرآن پاک کتاب ونبوت کا مقصد ہی یہ بتاتا ہے کہ لوگوں کے درمیان میزان قائم ہو اور میزان سے مراد عدل وانصاف ہی کے قوانین ہیں۔عدل سب سے پہلے خود اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے ایک عادل (عدل والا)، بھی ہے گویا بندوں میں جو عدل کی صفت پائی جاتی ہے وہ عدل خداوندی ہی کا پرتو ہے۔حقیقت یہ ہے کہ عدل کسی بھی معاشرہ میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے، عدل انفرادی ہو یا اجتماعی، جو معاشرہ اس سے صرف نظر کرتا ہے اس کی شکست وریخت نوشتہ دیوار بن جاتی ہے۔

* ڈاکٹر، ریسرچ انویسٹی گیٹر، ریجنل دعوۃ سینٹر (سندھ) کراچی، دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
برقی پتا: shahzadchanna@yahoo.com تاریخِ موصولہ: ۲۵ فروری ۲۰۱۲ء

معنی ومفہوم:

عدل کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو دو برابر حصوں میں بانٹنا۔مراد یہ ہے کہ جو بات ہم کہیں یا جو کام کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے اور وہی بات کہی جائے اور وہی کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اترے۔ پس اسلامی اخلاق کی رو سے عدل وانصاف کا معنی ہے ہر شخص کے ساتھ بلا رورعایت وہ معاملہ کرنا جس کا وہ دراصل حق دار ہے۔ کیوں کہ عدل کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کے صحیح موقع محل میں رکھنا۔اس کی ضد ظلم کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو غلط جگہ پر رکھنا جو اس کے لیے مناسب نہ ہو۔

علاوہ ازیں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصنف لکھتے ہیں: ''کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں ذرا برابر بھی کمی یا بیشی نہ ہو تو اس کو عربی میں 'عدل' کہتے ہیں۔اور اس سے وہ معنی پیدا ہوتے ہیں جن میں ہم اس لفظ کو اپنی زبان میں بولتے ہیں، یعنی جو بات ہم کہیں یا کام کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے اور وہی بات کہی اور وہی کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اترے۔(۱)

جب کہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق: یہ کسی فرد واحد کی کیفیت عدالت تک محدود نہیں بلکہ اجتماعی حالت انصاف بھی اس میں شامل ہوگئی ہے۔''(۲)

عدل دراصل سچائی اور راست بازی ہی کی ایک شکل ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ بلا روعایت وہ معاملہ کیا جائے اور اس کے بارے میں خدالگتی بات کہی جائے جس کا وہ مستحق ہے۔

عدل کا ہمہ گیر اجتماعی تصور:

اسلامی تعلیمات میں ہمیں ''عدل'' کے ساتھ ساتھ ''احسان'' کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔قرآن مجید میں عدل کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ارشاد گرامی ہے:

ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان....(۳)

''اللہ عدل واحسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔''

درج بالا آیت کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں عدل کا ہمہ گیر اجتماعی تصور دیا ہے،جس میں انسانی معاشرے کی فلاح و بہبود اور مساویانہ حقوق کی تشریح ملتی ہے۔مفتی محمد شفیع اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''یہ آیت قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے،جس میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے، اس لیے سلف صالحین کے عہد مبارک سے آج تک دستور چلا آرہا ہے کہ جمعہ وعیدین کے خطبوں کے آخر میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے''۔آپ مزید لکھتے ہیں کہ:''عدل اپنے

نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے، اور کسی ادنیٰ یا اعلیٰ معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے، سب لوگوں کے لیے اپنے نفس سے انصاف کا مطالبہ کرے، کسی انسان کو اس کے کسی قول و فعل سے ظاہراً یا باطناً کوئی ایذا رسانی اور تکلیف نہ پہونچے۔" (۴)

چنانچہ علامہ شبلی نعمانی وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

"عدل اور 'احسان' کے صحیح مفہوم کے سمجھنے کے لیے تھوڑی تفصیل کی ضرورت ہے۔ قانون کی بنیاد درحقیقت "عدل" پر ہے۔ عدل کے معنی "برابر" کے ہیں، جو شخص کسی کے ساتھ برائی کرے اس کے ساتھ اتنی ہی برائی کی جائے، یہ عدل ہے اور اس کو چھوڑ دینا اور معاف کر دینا اور درگزر کرنا یہ احسان ہے۔ اسلام میں ان دونوں کے الگ الگ مراتب ہیں، قانون عدل کو جماعت اور سلطنت کے ہاتھ میں اس نے دیا ہے یہ کسی ایک شخص کا کام نہیں ہے، اور احسان ہر شخص کے ہاتھ میں ہے اور یہ محض شخصی معاملہ ہے، قانون عدل ہی پر جماعت اور حکومت کا نظام قائم ہے، اگر اس کو مٹا دیا جائے تو جماعت اور حکومت کا شیرازہ بکھر جائے، اور کسی کی جان و مال و آبرو سلامت نہ رہے۔" (۵)

جب کہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اسی حوالے معاشرے کی اصلاح اور فلاح کی بنیاد "عدل" پر رکھتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں:

"اس مختصر فقرے میں جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جس پر پورے انسانی معاشرے کی درستی کا انحصار ہے۔ جن میں پہلی چیز عدل ہے، جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ اردو زبان میں اس مفہوم کو "انصاف" سے ادا کیا جاتا ہے۔ مگر یہ لفظ غلط فہمی پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے خواہ مخواہ یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو۔ اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لیے گیے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔ دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری۔ بعض حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے، مثلاً والدین اولاد کے درمیان معاشرتی و اخلاقی مساوات اور اعلیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والوں اور کم تر درجے کی خدمت ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حقوق میں مساوات نہیں بلکہ توازن و تناسب ہے، اور اس حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی و تمدنی حقوق پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کیے جائیں۔" (۶)

سید قطبؒ نے عدل اجتماعی کے ہمہ گیر تصور کی خصوصیت ان لفظوں میں بیان کی ہے:

''اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں داخل ہیں۔ وہ فکر اور عمل، ضمیر اور وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا انحصار معاشی قدروں پر نہیں۔ وہ وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے ساری مادی قدروں تک محدود نہیں۔ وہ مادی، معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوش گوار امتزاج کا نام ہے۔''(۷)

قیام عدل کے لیے رسولوں کا مبعوث ہونا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

لقد ارسلنا رسلنا بالبینت و انزلنا معھم الکتب والمیزان لیقوم الناس بالقسط(۸)

''ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ انسان، انصاف پر قائم ہو۔''

درج بالا آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ انسانی معاشرہ کی کامیابی وکامرانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اور پیغمبر مبعوث فرمائے، جن کی تعلیمات سے عدل کے قیام کے ساتھ ساتھ انصاف پر مبنی معاشرہ وجود میں آیا۔ صاحب تفہیم القرآن اس آیت کی بڑی جامع تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ عدل ہی اسلام کا مقصود ہے اور اسلام آیا ہی اس لیے ہے کہ عدل قائم کرے۔ اگر ایک مسلمان غافل نہ ہو تو وہ کبھی عدالت اجتماعیہ کی تلاش میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر کسی دوسرے ماخذ کی طرف توجہ کرنے کی غلطی نہیں کرسکتا۔ جس لمحے اسے عدل کی ضرورت کا احساس ہوگا اسی لمحے اسے معلوم ہو جائے گا کہ عدل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے پاس نہ ہے، اور نہ ہوسکتا ہے اور وہ بھی جان لے گا کہ عدل قائم کرنے کے لیے اس کے سوا کچھ کرنا نہیں ہے کہ اسلام، پورا کا پورا اسلام، بلا کم وکاست اسلام، قائم کر دیا جائے، اسلام الگ کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ اسلام خود عدل ہے۔ اس کا قائم ہونا اور عدل کا قائم ہو جانا ایک ہی چیز ہے۔''(۹)

عدل اجتماعی کا قیام:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور آپؐ کے خلفائے راشدین کے طرز حکومت پر نگاہ ڈالیں گے تو بے لاگ عدل ہی ان حکومتوں کا بنیادی رکن نظر آتا ہے۔ عدل جو اپنے بیگانہ، مسلم و غیر مسلم، عربی یا عجمی، امیر اور غریب سب کے لیے یکساں اور بلا امتیاز تھا۔ اس کی واضح مثال ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ مبارک میں ملتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

''اسامہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت کے بارے میں سفارش کی تو آپؐ نے فرمایا: تم میں سے جو پہلی امتیں گزری ہیں وہ اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ کم درجے کے لوگوں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے۔ اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر فاطمہ (بنت محمد) بھی ایسا کرتیں تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹتا۔''(۱۰)

اس حدیث سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ بنیادی طور پر اسلامی ریاست ہی اجتماعی عدل کے قیام کی بہترین صورت ہے۔ مسلمان معاشرے اس لیے فساد کا شکار ہوگئے کہ ان کی ریاستیں عدل اجتماعی کے قیام کو نظر انداز کر رہی ہیں۔ اسلامی ریاست میں قانون کی حکمرانی نہ ہو تو اسلامی ریاست کہلانے کی مستحق نہیں ہے اور ریاستی نقطہ نظر سے ریاست کا سب سے اہم فرض یہی ہے کہ وہ اجتماعی عدل قائم کرے۔

اگرچہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیں عدل اجتماعی کے مختلف پہلوؤں کا درس ملتا ہے، جس سے معاشرے کی بھلائی اور انسانوں کی حقیقی کامیابی نمایاں نظر آتی ہے، مگر ہم ذیل میں چند اہم پہلوؤں کی نشاندہی کی کوشش کریں گے۔

معاشرتی عدل:

عدل اجتماعی کے ضمن میں سب سے پہلا مقام معاشرتی عدل کا ہے۔ مساوات اور احترام آدمیت اسلامی معاشرے کا وہ امتیاز ہے جس کی نظیر تاریخ میں کوئی اور مذہب یا تمدن پیش نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع میں انسانی حقوق کا چارٹر عطا کیا گیا اس میں فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ کو قرار دیا گیا اور فرمایا گیا:

ان اکرمکم عنداللہ اتقکم.(۱۱)

''اللہ کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ مساوات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے داعی اسلامی معاشرہ و ریاست کو ذات پات، قبیلہ کے لاحقوں اور تفاخر کی نمائش کی قطعی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔ کیوں کہ انہیں پہچان کے لیے نہیں تفاخر کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم چارٹر (خطبۃ حجۃ الوداع) کی پیروی میں ہر طبقہ کے قائدین کا اسلامی فریضہ ہے کہ وہ زبان، علاقائیت اور فرقہ واریت جیسے تمام تعصّبات کے خلاف جہاد کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ اجتماعی عدل کا بنیادی تقاضا ہے کہ کسبِ معاش، تعلیم، علاج، حصول انصاف وغیرہ کے مواقع ریاست کی طرف سے ہر شہری کو یکساں طور پر مہیا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ یہی تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اور بنیادی نکتہ ہے۔

معاشی عدل:

معاشی عدل اجتماعی عدل کا سب سے اہم اور بنیادی حصہ ہے۔ معاشی ناہمواریوں کا سدباب اور معاشرے کے ہر فرد

کی بنیادی انسانی ضروریات کی فراہمی اسلامی حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔معاشی ناانصافی طرح طرح کی عصبیتوں کو جنم دیتی ہے، اخلاقی بے راہ روی پیدا کرتی اورامن عامہ کے لیےخطرات اورفساد کے راستے کھولتی ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ ہرشہری کوصلاحیت واستعداد کےمطابق یکساں روزگار کےمواقع فراہم کیے جائیں۔ارتکاز دولت کے سدباب کے لیے زکوٰۃ وعشراورعدل وانصاف پرمبنی ٹیکسوں کا موثرنظام رائج کیا جائے۔اس ضمن میں کسی طبقے (تاجر،صنعت کار،زراعت پیشہ یاملازمت پیشہ) یاکسی فرقے کے ساتھ کوئی امتیاز یا استثنا نہ برتا جائے۔قرآن مجید میں اس سلسلے میں واضح ارشادملتا ہے:

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل. ان اللہ نعما یعظکم بہ. (۱۲)

''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کروتو عدل کےساتھ کرو، اللہ تم کونہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے۔''

اوردوسری جگہ ارشادہوا:

وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط. ان اللہ یحب المقسطین. (۱۳)

''اوراگرتو فیصلہ کرےتو ان کے درمیان انصاف سے کر۔بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کودوست رکھتا ہے۔''

اس موقع پرہم خلیفہ ثانی سیدنا عمرفاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت سے ایک اقتباس پیش کریں گے،جس میں عدلِ اجتماعی کاایک بےنظیرواقعہ سامنے آتا ہے:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرتبہ کہیں سے مال آیا۔آپ وہ مال لوگوں کے درمیان تقسیم کررہے تھے۔لوگوں نے آپ کے گردہجوم کی صورت اختیارکرلی۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ لوگوں کوادھرادھر دھکیلتے ہوئے حضرت عمرؓتک جاپہنچے۔حضرت عمرؓ نے اپنا درہ لہرایااورحضرت سعدؓکو ڈانٹتے ہوئے کہا''تم لوگوں کو پیچھے ہٹاکرخودآگے بڑھ آئے ہو۔زمین پرسلطان اللہ (خلافت) کے آداب کاپاس بھی تم نےنہیں رکھا۔میں چاہتا ہوں کہ تمہیں سبق سکھاؤں اور بتلاؤں کہ سلطان اللہ تم سےمرعوب نہیں ہوسکتا۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔آپ کا مقام ومرتبہ اسلامی معاشرہ میں مسلم تھا۔حضرت عمرؓ ان سے محبت کرتے تھے اوران کی قدرافزائی بھی فرماتے تھے مگرآپ مربی تھے۔آپ نے محسوس کیا کہ اپنی قدرومنزلت کی وجہ سے حضرت سعدؓ نے دوسروں کو پیچھے دھکیل کر ان کے حقوق پردست رازی کی ہے۔اس طرح تو شرفا کمزوروں کی حق تلفی کرنےلگیں گے اور ضعفا مایوسی کا شکار ہوجائیں گے۔راعی اوررعیت کے درمیان تعلق اسی صورت میں مستقیم رہ سکتا ہے جب کہ سارے لوگوں کوایک ہی نظر سے دیکھا جائے۔'' (۱۴)

حقیقت یہ ہے کہ ایک مثالی معاشرے کی روح عدل و مساوات ہوتے ہیں۔نوع انسانی کی پوری تاریخ میں کوئی فرمانروا اپنے ہم مذہبوں اور دوسروں سے فاروق اعظم کی سی رواداری، انسانیت نوازی، عدل اور مساوات کا ثبوت نہیں دے سکا۔علاوہ ازیں عہد فاروقی کے انتظامی ڈھانچے کی اصل روح رعایا کے ساتھ عدل و مساوات برتنے اس کی فلاح و بہبود کے لیے ہر ممکن کوشش کرنے اور شرف انسانی کو بحال کرنے میں مضمر تھی۔

عدالتی عدل:

عدل اجتماعی کے حوالے سے عدالتی عدل کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔عدالتی عدل کے ضمن میں قرآن مجید کا یہ فرمان ہمارا راہ نما اصول ہونا چاہیے:

ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ. (۱۵)

''اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو یہی قرین تقویٰ ہے یعنی یہی تقویٰ کا تقاضا ہے۔''

کسی قسم کا کوئی نسبی، لسانی، معاشی یا سیاسی تعلق عدل و انصاف کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہیے۔ایک قریشی عورت پر چوری کی حد کے بارے میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سفارش پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں نفاذ عدل و مساوات کی درخشندہ مثال ہی نہیں بلکہ معاشرے کے لیے ایک عملی نمونہ ہے۔

عدالتی نظام کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ عدالتوں کی بہت ساری درجہ بندیاں ختم کر کے عدالتی نظام کی اس طرح ازسرنو تنظیم کی جائے کہ مقدمہ بازی کا طویل اور لامتناہی سلسلہ ختم اور حتمی انصاف جلد اور سستا ملنے کا معقول اہتمام یقینی بنایا جائے، یہی اجتماعی عدل کا تقاضا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے عدالتی کاروبار کے ہر پہلو میں عدل و انصاف کا لحاظ رکھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ تحریری دستاویز کے متعلق حکم ہے کہ:

ولیکتب بینکم کاتب بالعدل. (۱۶)

''اور (تمہارے باہمی قرارداد کو) کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے۔''

چنانچہ شہادت یا فیصلہ کے وقت دو حالتوں میں اکثر لوگوں کا ایمان ڈگمگا جاتا ہے۔ایک تو یہ کہ فریق مقدمہ اپنا قرابت دار ہو یا اس کے گواہ یا حاکم کو عداوت ہو، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اور تعلیمات اس حالت میں بھی عدل و انصاف سے تجاوز کرنے کو جائز نہیں رکھتی۔

تعلیمی عدل:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے **طلب العلم فریضة علی کل مسلم** فرما کر حصول علم کو ہر مسلمان کا حق ہی نہیں بلکہ فریضہ قرار دے دیا۔مگر افسوس اور ندامت کا مقام یہ ہے کہ علم کے میدان میں امامت کا منصب تو ہم کھو بیٹھے

تھے، اب خواندگی جیسے ابتدائی تعلیمی مرحلہ میں بھی ہم بہت پسماندہ ہیں اور اس کی بنیادی وجہ تعلیم کے حصول میں عدل و مساوات کا نہ ہونا ہے۔ معیاری تعلیمی سہولتیں معاشرے کے ہر فرد تک یکساں فراہم نہ ہونے کی وجہ سے ہم علم کے میدان میں دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہیں، جب کہ سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ہمیں علم حاصل کرنے کی رہنمائی ملتی ہے۔

قرآن مجید میں بھی ہمیں علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، فرمایا گیا:

اقرا باسم ربک الذی خلق. خلق الانسان من علق. اقرا وربک الاکرم. الذی علم بالقلم. علم الانسان ما لم یعلم. (۱۷)

’’پڑھو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کے نام ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔‘‘

گو کہ علم کے حصول کے لیے قرآن مجید کے واضح احکامات کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ عبادات، معاملات، معیشت، معاشرت، تعلیم، تربیت، سیاست، اخلاق، انفرادی یا اجتماعی زندگی، غرض کہ ہر پہلو کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ بہترین نمونہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ عدل اجتماعی کے ضمن میں تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر لوگوں کے لیے علم کے حصول کے لیے یکساں اور مساوی مواقع پیدا کیے جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل کی چند جھلکیاں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کے مظہر تھے۔ کون نہیں جانتا کہ جزیرۃ العرب کی فتح کے ساتھ لوگوں کے معاملات عدل و انصاف کے ساتھ طے کرنے کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپڑی تھی۔ آپؐ اذیت و مصائب اور تصادم کے جن مراحل سے گزرے تھے اس کا فطری تقاضا تو یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منتقم ہوتے، مخالفین کو حد سے بڑھ کر سزا دیتے اور دوستوں اور دشمنوں کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل میں ہمیشہ دوستوں کا ساتھ دیتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق نے عدل و انصاف کی شاندار مثالیں قائم کی ہیں۔

کتب سیرت و حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات کی جو تفصیلات موجود ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عدل کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ جہاں تک اپنی ذات کا تعلق ہے تو اس کے لیے وہ روایت کافی ہے جسے ابن ہشام نے نقل کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں عام لوگوں کے درمیان اعلان کیا کہ میرے ذمہ کسی کا قرض ہو یا میں نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال و آبرو حاضر ہے۔ اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے۔ مجمع میں سناٹا تھا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو اسے دلوائے گئے۔ (۱۸)

لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنے کے لیے آپؐ نے جس طرح اہتمام کیا اس کی مثالیں بھی بے شمار ہیں۔ یہاں صرف چند ایک کا ذکر کریں گے۔

”اہل طائف کو مصالحت پر آمادہ کرنے میں ایک عرب سردار صخر رضی اللہ عنہ کا خاص کارنامہ ہے کہ اس نے محاصرہ کر کے انھیں اس صلح پر تیار کیا۔ لیکن اسی صخر رضی اللہ عنہ کے خلاف دو شکایتوں پر آپؐ نے اس کے خلاف فیصلہ دیا۔ مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے شکایت کی کہ اس کی پھوپھی صخرہ رضی اللہ عنہ کے قبضے میں ہے، آپؐ نے اسے نہ صرف چھوڑنے کا حکم دیا بلکہ فرمایا کہ اسے گھر پہنچا آؤ۔ اس کے بعد بنو سلیم نے کہا کہ جس زمانے میں ہم کافر تھے صخر رضی اللہ عنہ نے ہمارے چشمے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب ہم اسلام لے آئے ہمارا چشمہ ہمیں واپس دلایا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صخر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو وہ اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے۔ اس لیے ان کو ان کا چشمہ واپس دے دو۔ صخر رضی اللہ عنہ کو منظور کرنا پڑا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب صخر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں احکام منظور کیے تو میں نے دیکھا کہ:

وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم يتغير عند ذلك حمرة حياء. (۱۹)

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر شرم سے سرخی آ گئی۔“

آپؐ نے عادلانہ فیصلے میں اس کے کارنامے کا لحاظ بھی نہ کیا۔ وہ شخص جو عام حالات میں صلہ کا مستحق تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں حکم اس کے خلاف دیے۔

اسی طرح سیرت رسول میں ہمیں ایک اور تاریخی واقعہ ملتا ہے۔

> ”فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی گئیں تھیں۔ عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ اپنے چچازاد بھائی محیصہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھجوروں کی بٹائی لینے گئے۔ عبداللہ گلی میں جا رہے تھے کہ کسی نے ان کو قتل کر دیا اور لاش گڑھے میں ڈال دی۔ محیصہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور استغاثہ دائر کیا۔ آپؐ نے اس سے قسم کھانے کو کہا کہ عبداللہ کو یہودیوں نے قتل کیا ہے۔ محیصہ رضی اللہ نے کہا: ”میں نے اپنی آنکھ سے تو نہیں دیکھا“ آپؐ نے فرمایا تو یہودیوں سے حلف لیا جائے۔ محیصہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضور! یہودیوں کی قسم کا کیا اعتبار یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھا لیں گے۔ خیبر میں یہودیوں کے اور کوئی قوم آباد نہ تھی۔ انھوں نے ہی عبداللہ کو قتل کیا ہوگا لیکن عینی شہادت نہ ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کوئی سزا نہ دی اور خون بہا کے سو اونٹ بیت المال سے دلوائے۔“ (۲۰)

چنانچہ نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت اور معاشرے

میں عدل کے فروغ میں اپنی مثال آپ تھے۔آپؐ کی ساری زندگی معاشرتی اصلاح اور عدل اجتماعی کے فروغ میں بسر ہوگئی۔یہی وجہ ہے کہ ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین بھی اپنے اپنے دور میں عدل کے فروغ اور انصاف کے معاملے میں نہایت اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔اس سلسلے میں یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ معاشرے میں انسانی مساوات کے اعلیٰ معیار کا بیان اس وقت تک نامکمل رہے گا جب تک ہم اس بات کا جائزہ نہ لیں کہ اسلامی سماج کا اپنے بڑے آدمیوں کے ساتھ کیا سلوک تھا۔جب تک بڑے چھوٹوں کے ساتھ ایک صف میں نہ کھڑے ہوں اور بزرگی و برتری کی واحد بنیاد حسب ونسب اور جاہ ومال نہیں صرف عمل رہ جائے۔

عدل اجتماعی کے حوالے سے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا کردار:

اگرچہ مضمون کی طوالت کے باعث تمام صحابہ کرام کا عدل اجتماعی کے حوالے سے کردار بیان نہیں کیا جاسکتا،مگر ذیل میں چند اہم واقعات کا اجمالی تعارف پیش کیا جارہا ہے۔امام یوسفؒ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:

> ''مجھ سے عبدالملک ابن ابی سلیمان نے عطاء کے واسطہ سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو لکھ بھیجا کہ حج کے موقع پر ان سے ملیں۔چنانچہ یہ سب لوگ آئے۔آپ رضہ نے کھڑے ہوکر یہ تقریر کی:
>
> لوگو! میں ان عمال کو اس لیے مقرر کرتا ہوں کہ راست روی کے ساتھ تمہاری سرپرستی ونگرانی کا فرض انجام دیں۔میں نے انھیں اس لیے ہرگز نہیں مقرر کیا ہے کہ تمہاری جان و مال اور عزت وآبرو پر دست درازی کریں۔لہٰذا اگر تم میں سے کسی کو کسی عامل کے خلاف ظلم وزیادتی کی شکایت ہو تو کھڑا ہوجائے۔''

راوی کہتا ہے کہ اس دن تمام لوگوں میں سے صرف ایک آدمی کھڑا ہوا اس نے کہا:''امیر المومنین! آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے (ناحق) مارے ہیں۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا:''کیا تم اسے کوڑے مارنا چاہتے ہو،آؤ اور اس سے انتقام لو۔''

اس پر عمرو بن العاصؓ نے اٹھ کر کہا کہ:''امیر المومنین! اگر آپ اپنے عمال کے ساتھ یہ سلوک کرنا شروع کردیں گے تو انھیں سخت گراں گزرے گا۔یہ ایک مستقل طریقہ بن جائے گا جس پر آپ کے بعد کے لوگ بھی عمل کریں گے۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا:''پھر،کیا میں اس آدمی کو بدلہ نہ دلواؤں جب کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی ذات سے بدلہ دلواتے دیکھا ہے۔(پھر آپ نے اس آدمی سے مخاطب ہوکر فرمایا) آؤ اور اس (عامل) سے بدلہ لو۔''

عمروؓ بن العاص نے کہا کہ ہمیں اجازت دیجیے کہ اس آدمی کو راضی کرلیں۔راوی کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تمہیں اجازت ہے،چنانچہ ان لوگوں نے اس شخص کو دو سو دینار کے بدلے راضی کرلیا۔ہر کوڑا دو دینار کے عوض پڑا۔'' (۲۱)

بات یہاں تک ختم نہیں ہوتی بلکہ آگے آتا ہے کہ:

''عمرو بن العاصؓ نے دوسرے پر سے تو یہ بلا ٹال دی لیکن جب ان کے بیٹے کا ایک مصری لڑکے کو مارنے کا معاملہ پیش ہوا تو عمرؓ نے اسے بدلہ دلوایا اور ان سے کچھ بن نہ پڑی۔ بدلہ دلواتے وقت عمرؓ کہہ رہے تھے ''اس خاندانی شریف زادے کو مار'' عمرو بن العاصؓ خود بھی سزا کا مزا چکھنے والے تھے مگر اس مصری نے معاف کر دیا اور مارنے سے باز رہا۔'' (۲۲)

چنانچہ اب ہم اس بات کا بھی جائزہ لیں گے کہ عدل اجتماعی کے تصور کے سلسلے میں خلفاء اور بادشاہوں کے ساتھ ساتھ ان کی رعایا اظہار خیال اور تنقید میں کس آزادی کے ساتھ پیش آتی تھی۔

''عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ کی حیثیت میں لوگوں کو خطاب کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں: ''اگر میرے اندر کوئی کجی دیکھو تو مجھے سیدھا کر دینا۔'' عامۃ الناس میں سے ایک فرد جواب دیتا ہے کہ: ''اگر ہم نے تیرے اندر کوئی کجی دیکھی تو اپنی تلوار کی دھار سے تجھے سیدھا کر دیں گے۔ عمرؓ نے اس پر صرف اتنا کہا: ''اللہ کا شکر ہے جس نے عمرؓ کی رعایا میں ایسے افراد بھی پیدا کیے ہیں جو اسے صرف اپنی تلواروں کی دھار سے سیدھا کر سکتے ہیں۔'' (۲۳)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی ہمیں اسلامی تاریخ کے مطالعے سے ملتا ہے جس سے عدل اجتماعی کے حوالے سے رعایا کا کردار سامنے آتا ہے اور یہ واقعہ بھی خلیفہ ثانی اور عادل حکمران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کا ایک بے نظیر واقعہ ہے۔

''مسلمانوں کو غنیمت میں کچھ یمنی چادریں ملیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کی طرح خود بھی ایک چادر اور اپنے بیٹے عبداللہ رضہ کو بھی ایک چادر دی۔ چونکہ خلیفہ کو کپڑے کی ضرورت تھی لہٰذا عبداللہؓ نے اپنے حصے کی چادر بھی ان کو دے دی تاکہ دونوں کو ملا کر ایک کپڑا تیار ہو سکے۔ ایک دن آپ اسی کپڑے کو پہن کر لوگوں کو خطاب کرنے کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''لوگو! سنو اور اطاعت کرو''۔ سلمان نے اٹھ کر کہا: ہمارے اوپر آپ کی بات سننا اور اطاعت کرنا واجب نہ رہا۔ عمرؓ نے پوچھا: کیوں؟ سلمان نے کہا: یہ بتائیے کہ یہ کپڑا آپ نے کیسے بنوالیا کیوں کہ آپ کے حصہ میں بھی ایک ہی چادر آئی تھی اور آپ لمبے قد کے آدمی ہیں۔ آپ نے فرمایا: جلد بازی سے کام نہ لو۔ پھر آپ نے پکارا: اے عبداللہ، مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر آپ نے پکارا: اے عبداللہ ابن عمر، وہ بولے: اے امیر المومنین! میں حاضر ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ کہ جس چادر کو میں نے تہہ بند بنایا ہے وہ تمہاری ہی چادر ہے کہ نہیں۔ انھوں نے کہا: ہاں۔ پھر سلمان نے کہا: اب آپ حکم دیجیے، ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔'' (۲۴)

گو کہ یہاں پر سیرت صحابہ سے عدل اجتماعی کے حوالے سے مختصر طور پر چند واقعات کا ذکر کیا گیا۔ اب ہم دور حاضر میں عدل کے اجتماعی تصور اور کردار کے حوالے سے کچھ معروضات پیش کریں گے۔

دور حاضر میں عدل اجتماعی کا تصور:

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایات کا جب ہم آج دور حاضر کی مغربی تہذیب اور اس کے برتاؤ کے ساتھ کرتے ہیں جو یہ تہذیب ان ممالک کے ساتھ کرتی ہے تو اسلام اپنی تاریخ کے ہر دور میں زیادہ وسیع، بلند اور پاکیزہ نظر آتا ہے۔ آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تعلیم و تربیت اور معاشی تعمیر و ترقی کے باب میں مغربی تہذیب کی خوبیوں سے ان ممالک کو قصداً محروم رکھا جاتا ہے تاکہ جتنی طویل مدت تک ممکن ہو یہ ممالک مغربی استعمار کے محتاج بنے رہیں۔ اس کے علاوہ انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کے انسانی شرف و عزت کو ذلیل اور پامال کرنا، قصداً اخلاق فساد پھیلانا، گروہی اور جماعتی فتنوں کے بیج بونا اور انھیں پروان چڑھانا اور قوموں، جماعتوں اور افراد کو ہر ممکن طریقے سے لوٹنا استعماری طاقتوں کا شیوہ بن گیا ہے۔

اہل مغرب آج جس مذہبی آزادی کا دم بھرتے ہیں اس سے پہلے ان کے یہاں وہ دور بھی گزر چکا ہے جس میں اندلس کی ''تحقیقاتی عدالتوں'' کی بہیمانہ سزائیں اور مشرق میں صلیبی جنگوں کی سفاکیاں ملتی ہیں۔ آج بھی یہ مذہبی آزادی محض ایک دکھاوا ہے۔ اس کے برعکس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے عدل اجتماعی کے تصور کے سلسلے میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کے حقوق کا بھی وہ درس دیا کہ آج تک مسلمان اس پر عمل پیرا ہیں۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ بیان کرنا ضروری ہے:

> ''حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے نابینا کو ایک دروازے پر بھیک مانگتے دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہے۔ آپ نے ان سے پوچھا: ''تمھیں کس چیز نے اس حالت تک پہنچایا؟ اس نے جواب دیا: جزیہ، ضرورت اور بڑھاپا۔ عمرؓ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اتنا کچھ دیا جو اس وقت کی ضروریات کے لیے کافی تھا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خزانچی کو کہلا بھیجا کہ اس شخص اور اس جیسے دوسرے اشخاص کی طرف توجہ کرو۔ خدا کی قسم یہ انصاف کی بات نہیں کہ ہم اس کی جوانی (کی کمائی) کھائیں اور بڑھاپے میں اسے دھتکار دیں۔ زکوٰۃ فقرا اور مساکین کے لیے ہے اور یہ اہل کتاب کے مساکین میں سے ہے۔ آپؓ نے اس فرد اور اس جیسے دوسرے افراد کو جزیہ سے بری قرار دے دیا۔'' (۲۵)

یہی وجہ ہے کہ اسلام ہمہ گیر انسانی عدل اجتماعی کی اس بلند چوٹی پر رہا ہے جس تک یورپین تہذیب نہ پہنچی ہے۔ کیوں کہ یہ جامد اور مادیت کی تہذیب ہے جو قتل و غارت گری، خوں ریزی اور زبردستی پر مبنی ہے۔ آج مغرب کی جو مادی فکر ہے وہ اخلاق

کی بنا منفعت کو قرار دیتی ہے اور مفادات اور تجارتی بازاروں کے لیے ایک دوسرے کا گلا کاٹنا سکھاتی ہے اور یہ فکر روحانی عنصر کو بے دخل کر دیتی ہے جب کہ اس کے برعکس اسلام اپنے نظام کی بنیاد ایک ایسے جامع تصور زندگی پر رکھتا ہے جو مادی طرز فکر کی یکسر نفی کر دیتا ہے۔ وہ عمل کی بنیاد روحانی اور اخلاقی عنصر پر رکھتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلمته وهو السمیع العلیم. (۲۶)

''اور آپ ؐ کے رب کی باتیں سچ اور عدل پر پوری ہیں۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سنتا اور جانتا ہے۔''

چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ کائنات کا نظام عدل وتوازن پر قائم ہے اور اس نے انسانوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ عدل پر قائم رہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں عدل اجتماعی کا درس امت مسلمہ کے لیے وہ راہنمائی فراہم کرتا ہے کہ اگر ہم اس پر من وعن عمل کریں تو دین اور دنیا میں کامیاب ہوں گے۔

مراجع وحواشی

(۱) شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبی ج ۶ ص ۴۳۴، ناشران قرآن اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۵ء

(۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۳ ص ۶، جامعہ پنجاب لاہور، طبع ۱۹۷۶　　(۳) النحل ۱۶:۹۰

(۴) محمد شفیع، مفتی، مولانا، معارف القرآن ج ۵ ص ۳۸۸، ۳۸۹، ادارۃ المعارف کراچی

(۵) سیرۃ النبی ج ۶ ص ۱۰۵، ناشران قرآن اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۵ء

(۶) مودودی، مولانا، سید، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۶۵، ادارہ ترجمان القرآن لاہور

(۷) سید قطب، اسلام میں عدل اجتماعی، ترجمہ، نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر ص ۹۷، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ایڈیشن ۱۱، ۲۰۰۶

(۸) الحدید ۵۷:۲۵

(۹) مودودی، مولانا، اسلام اور عدل اجتماعی، ص ۹، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، فروری ۲۰۰۶

(۱۰) بخاری، کتاب الحدود، ۲۷/۱۰۰۳　　(۱۱) الحجرات ۴۹:۱۳

(۱۲) النساء ۴:۵۸　　(۱۳) المائدہ ۵:۴۲

(۱۴) تلسمانی، عمر، شہید المحراب، ترجمہ محمد ادریس، حافظ، البدر پبلی کیشنز لاہور، اشاعت ششم، ص ۲۱۵

(۱۵) المائدہ ۵:۸　　(۱۶) بقرۃ ۲:۳۹　　(۱۷) علق ۹۶:۱ تا ۵

(۱۸) علوی، خالد، ڈاکٹر، انسان کامل، ص ۶۴۸، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، طبع چہارم اگست ۲۰۰۲ء

(۱۹) ایضاً ص ۶۴۹　　(۲۰) بخاری، کتاب الدیات، باب ماجاء فی القسامہ، ۳۰/۴

(۲۱) اسلام میں عدل اجتماعی، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ایڈیشن ۱۱، ۲۰۰۶ ص ۴۰۵

(۲۲) ایضاً ص ۴۰۶　　(۲۳) ایضاً ص ۴۰۷　　(۲۴) ایضاً ص ۴۰۸

(۲۵) ایضاً ص ۴۳۱　　(۲۶) الانعام ۶:۱۱۵